شب قدر کی عظمت

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (القدر ۹۷: ۱-۵)

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

سورۃ القدر وہ سورت ہے جس میں شب قدر کی نسبت سے قرآن مجید کا مقام' اس کی عظمت اور اس کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سورت سے قبل' سورۃ العلق میں پہلی وحی کے نزول کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ پر پہلی وحی رات کے وقت اور فجر سے کچھ قبل نازل ہوئی۔ اس سورت میں جب بات شروع ہوتی ہے تو یہ نہیں فرمایا کہ کیا چیز اتاری ہے بلکہ یہ فرمایا گیا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝

ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

گویا کہ جو چیز اتاری گئی وہ اتنی جانی پہچانی ہے اور جس سیاق و سباق میں یہ بات ہو رہی ہے' اس میں یہ بات اتنی روشن ہے کہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن مجید کو اتارا گیا۔ چنانچہ بہت سے ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ ہی اس طرح کیا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے۔ اگرچہ بعض مترجمین نے ترجمے میں قرآن مجید کا لفظ تو استعمال نہیں کیا ہے لیکن اس بات کو واضح کیا ہے کہ "اس" سے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے' جس کے بارے میں پچھلی سورت (سورۃ العلق) میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ بات بھی قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر بیان ہوئی ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو رمضان المبارک کے مہینے میں اتارا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ ۲: ۱۸۵)' "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا"۔ ان دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک ہی کی ایک رات

ہے۔ سورۃ الدخان کے آغاز میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان ۴۴: ۲-۳) "قسم ہے اس کتاب مبین کی کہ ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے"۔ یہاں خیر و برکت والی رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔

سورۃ القدر میں "انا" کا لفظ آغاز ہی میں جس اہتمام کے ساتھ آیا ہے اور اس میں جتنی قطعیت پائی جاتی ہے کہ بے شک ہم نے یہ کام کیا ہے، یہ دراصل اسی چیز کی طرف توجہ دلا رہا ہے جس کا قرآن مجید بار بار ذکر کرتا ہے۔ یعنی کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور اسی کی اتاری ہوئی ہے۔ اس میں کسی مخلوق کا کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ خود اس کتاب کو لانے والے (یعنی جبریلؑ) کا اس کتاب کے مضامین اور تعلیمات میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ کسی شیطان یا کسی جن کا کوئی بس نہیں تھا کہ وہ اس میں کسی قسم کی ملاوٹ کر سکے۔ جو کتاب لوح محفوظ میں ہے، وہ کتاب اسی طرح لفظ بہ لفظ نبی کریمؐ کے قلب مبارک پر نازل کر دی گئی تھی۔ "انا" کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ یہ کتاب اللہ نے اتاری ہے۔ محمد الرسولؐ اللہ کی اپنی تصنیف کردہ نہیں ہے۔

اس سورت میں لیلۃ القدر کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کا اردو ترجمہ شب قدر ہے۔ لفظ "قدر" کے مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اردو زبان میں قدر تین معنوں میں بولا جاتا ہے ایک، قدرت یعنی کسی چیز پر اختیار یا طاقت رکھنا۔ دوسرا، تقدیر کے معنوں میں جس کا مطلب ہے چیزوں کا منصوبہ بنانا، ان کا اندازہ اور پیمانہ مقرر کرنا اور تیسرے معنی قدر و قیمت یا کسی چیز کے مقام عظمت کے ہیں۔ "قدر" کا لفظ عربی زبان میں بھی انھی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ تینوں معنی مراد ہیں۔

لہٰذا شب قدر وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے اختیار اور قدرت سے معاملات کو طے کرتا ہے۔ اگلی آیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ اس رات میں اللہ کے حکم سے فرشتے ہر کام کے فیصلے لے کر اترتے ہیں۔ گویا کائنات کے دن رات کے نظام میں جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے، اللہ نے ایک رات ایسی مخصوص کی ہے کہ جس میں سال بھر کے فیصلے اور احکامات فرشتوں کے سپرد کیے جاتے ہیں۔ وہ رات شب قدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے "آج کل" یا "آگے اور پیچھے" جیسے الفاظ بے معنی ہیں۔ یہ الفاظ ہمارے جیسے انسانوں کے لیے ہیں جو آج اور کل کے چکر میں ہیں، جن کا علم اور اندازہ اسی پر مبنی ہے۔ مگر اللہ جو کہ اول بھی ہے اور آخر بھی، جس کا علم ظاہر و باطن ہر چیز پر حاوی ہے، اس کے لیے جو کچھ کل ہونے والا ہے وہ اسی طرح ہے جیسے آج ہونے والا ہے۔ البتہ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں۔ وہ عالم الغیب نہیں ہیں اور فرشتوں کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ اس کائنات میں تدبیر کرتا ہے۔ چنانچہ شب قدر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ وہ رات ہے جس میں اللہ کی طرف سے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس بات کو سورۃ الدخان میں یوں بیان کیا گیا ہے: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا (الدخان ۴۴: ۴-۵) "یہ وہ رات تھی جس میں ہر معاملے کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے"۔

اس سلسلے میں تیسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول اور کائنات کے نظام کی تقدیر، تدبیر یا فیصلوں کو فرشتوں کے سپرد کیے جانے کی وجہ سے بھی اس رات کی عظمت، بزرگی اور قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔ انسان کی ہدایت، انسان کی تمام ضروریات، اس کی موت و زندگی، رزق اور عمر کے فیصلوں کے حامل ہونے کی بنا پر یہ رات منفرد مقام رکھتی ہے۔

اس رات کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس رات کو قرآن مجید کے نزول کے لیے جو کہ سب سے بڑی حکیمانہ چیز ہے، منتخب کیا گیا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان ۴۴:۳) "ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا"۔ اس برکت والی رات میں اللہ تعالیٰ تمام امر حکیم کا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ کے تمام احکامات امر حکیم ہی ہوتے ہیں۔ لفظ حکیم کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی حکمت والی چیز کے ہیں، دوسرے یہ کہ جس کے اندر کوئی دخل نہ دے سکے اور کوئی اس سے سرتابی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اگر ایک طرف حکمت سے لبریز ہوتے ہیں تو دوسری طرف کسی کی قدرت اور بس میں نہیں ہے کہ وہ اس کے احکام سے سرمو تجاوز کر سکے یا ان سے باہر نکل سکے۔ قرآن مجید اس کی حکمت کا شاہکار ہے جو اس نے اس رات میں نازل کیا۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ پوری کائنات ایک مربوط نظام کے تحت چل رہی ہے۔ اللہ رب العزت جیسی حکیم ہستی اس نظام کو چلا رہی ہے۔ اس چھوٹی سی آیت میں کائنات کے نظام کے ایک امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس کے تحت قرآن مجید کا لیلۃ القدر میں نزول ہوا۔ قرآن مجید کا لوح محفوظ میں محفوظ ہونا، اس کا نزول، وحی کی نوعیت وغیرہ ایسے معاملات ہیں جن پر قرآن مجید اور وحی کا پورا انحصار ہے۔ یہ کائنات کے نظام کے ایسے اسرار و رموز ہیں کہ ان کی ابجد سے بھی انسان پوری طرح واقف نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کے فہم سے بالاتر ہیں۔

کائنات کو جاننا ایک مشکل امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کے چھپے ہوئے نظام کو سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے، جو نظام نگاہوں کے سامنے ہے وہ بھی انسان کی سمجھ میں پورا نہیں آ سکتا۔ جدید فلکیات کی رو سے نوے فی صد کائنات، ستارے اور سیارے وغیرہ انسان کی نگاہوں سے محو ہیں۔ انسان انھیں دیکھ نہیں سکتا۔ کائنات میں بلیک ہول (black hole) نام کی چیز پائی جاتی ہے جسے انسان صرف فارمولے، کلیات اور اعداد و شمار ہی سے جان سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو دیکھنے یا جاننے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ انسان اگر یہ جاننا چاہے کہ زمین کے اندر ایک میل تک کیا کیا چیزیں پائی جاتی ہیں تو وہ یہ جاننے سے بھی قاصر ہے۔ انسان ابھی تک یہ نہیں جان سکا کہ اس کرۂ ارض کے اندر زیر زمین کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔ کائنات کے اسرار و رموز کو جاننا تو بہت بڑی بات ہے۔ کائنات ایک طرف اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کی امین ہے تو دوسری طرف انسان کی بے بسی کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ کتنا مجبور اور بے بس ہے۔

کائنات کے اسرار و رموز میں سے ایک نزول وحی بھی ہے۔ وحی کیا ہے؟ یہ کس طرح نازل ہوتی ہے؟

اس کو جاننا انسان کے بس سے باہر ہے۔ اس لیے کہ انسان کو نہ اس کا تجربہ ہے اور نہ ہی انسانی علوم میں سے کوئی علم ایسا ہے کہ جس کے ذریعے انسان وحی کے بارے میں جان سکے۔ یہ تو صرف انبیا پر نازل ہوتی تھی اور صرف اللہ کے حکم سے نازل ہوتی تھی۔ البتہ وحی کے نزول کے حوالے سے کچھ اشارے ملتے ہیں جن کے ذریعے نزول وحی کے بارے میں جانا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید میں "روح" کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سورہ میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ "روح" سے مراد روح الامین، حضرت جبریلؑ بھی ہیں اور یہ لفظ وحی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مشرکین مکہ سوال کرتے تھے کہ روح کون ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپؐ کہہ دیں کہ یہ امر ربی یعنی وحی ہے۔ مگر تم کو اس کے بارے میں کم علم دیا گیا ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ○ (بنی اسراءیل ۱۷:۸۵) "یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے"۔

لیلۃ القدر وہ رات ہے جب ملائے اعلیٰ کا زمین کے ساتھ ربط قائم ہوا۔ خدائے لامکاں جو کہیں نہیں ہے، جو انسانوں کی طرح کلام نہیں کرتا، اس کی کوئی مخصوص زبان نہیں، وہ کسی خاص مقام پر موجود نہیں مگر ہر جگہ موجود ہے اور جس کی مثل کوئی شے نہیں ہے، اس نے اپنے ایک ایسے بندے سے کلام کیا جو اس کی مخلوق ہے۔ یہ واقعہ اپنی جگہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ ہزارہا برس سے سوچنے والے مفکرین، فلسفی اور مفسرین اس بات میں سرگرداں ہیں کہ خدا کا اپنے بندے سے ہم کلام ہونا، وحی اور روح کا نزول ہونا، آخر اس کی حقیقت کیا ہے؟ اسی بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ القدر کی ابتدائی آیت میں اس طرح سے دیا کہ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا جو رمضان المبارک کی ایک رات تھی۔

لیلۃ القدر میں نزول قرآن سے کیا مراد ہے؟ یہ بات سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس برس میں مکمل کتاب کی شکل میں نازل ہوا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شب قدر میں اس کے نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس حوالے سے مفسرین نے مختلف توضیحات کی ہیں۔ بعض کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اس رات پورے قرآن مجید کو لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیا اور پھر وہ اللہ کے حکم کے تحت، مختلف مواقع کی نسبت سے، اسے زمین پر لے کر اترتے رہے۔ دیگر مفسرین کی رائے میں یہ وہ رات ہے جب قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔ یہ بات زیادہ واضح اور حقیقت کے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر والی رات میں قرآن کو نازل کرنا شروع کیا۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○

اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟

اس آیت کے لغوی معنی کیے جائیں تو وہ یہ ہوں گے کہ کیا چیز ہے جس نے تم کو یہ سمجھ دی ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ اس کا سیدھا سادہ مفہوم جو مفسرین نے لیا وہ یہ ہے کہ تم نے کیا سمجھا کہ یہ شب قدر کیا

چیز ہے؟ میرے خیال میں، اس آیت کا مفہوم اس وقت بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے جب ہم اردو محاورے کے تحت یہ کہتے ہیں کہ تمھیں کیا پتا کہ شب قدر کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس رات کا مقام، اس کی عظمت اور اس رات میں وحیِ الٰہی کے نزول کا واقعہ انسانی ادراک سے بالاتر ہے۔ دوسرا اشارہ دراصل شوق دلانے کے لیے ہے کہ کیا تمھیں کچھ پتا بھی ہے کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ گویا کہ اس بات کی ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اس رات کی قدر و قیمت اور عظمت و مقام کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ○

شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے لفظ کو دہراتے ہوئے فرمایا: شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر یہاں صرف ھی خیر من الف شھر (یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے) کہا جاتا، تو بھی عربی زبان کے اصولوں کے مطابق بات مکمل ہو جاتی۔ لیلۃ القدر کے لفظ کو بار بار دہرانے کی اس حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام رازیؒ نے فرمایا کہ یہ دراصل اس رات کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ درحقیقت اس رات کی عظمت اور مقام کو اجاگر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے لفظ کو تین مرتبہ دہرایا ہے۔

ہزار مہینوں کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے مگر اس میں صحیح بات وہی ہے جو امام رازیؒ نے فرمائی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دراصل عربی زبان میں کسی چیز کی کثرت اور بہت بڑی تعداد کو ظاہر کرنے کے لیے "الف" (ہزار) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں ہزار مہینے سے مراد ایک ہزار مہینے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ رات ہزارہا مہینوں اور سالوں سے بہتر رات ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ رات کن معنوں میں ہزار برس سے بہتر ہے؟ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے "خیر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مفسرین کے مطابق اس رات میں خیر کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس رات میں کی جانے والی عبادت اپنے اجر و ثواب اور درجات کے لحاظ سے اللہ کے ہاں ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ برتر اور افضل ہے۔ یہ بات حدیث میں بھی آئی ہے: جس نے لیلۃ القدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کیا، اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو لیلۃ القدر کے خیر سے محروم رہا وہ درحقیقت بہت بڑے خیر سے محروم رہا۔ ان احادیث کی روشنی میں خیر کا ایک پہلو یہ اجاگر ہو کر سامنے آتا ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، اس کے حضور قیام کرنا اور سجدہ ریز ہونا، تلاوت قرآن پاک کرنا، اپنے گناہوں پر گڑگڑانا، توبہ استغفار کرنا اور اس سے دعائیں مانگنا ایسی چیز ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ایک روایت کے مطابق جب نبی کریمؐ نے پہلی امتوں کے اعمال دیکھے تو وہ طویل عمر ہونے کی بنا پر بہت زیادہ تھے۔ اس پر حضورؐ نے سوچا کہ میرے امتیوں کی عمریں تو بہت چھوٹی ہیں، یہ اپنے اجر میں ان تک

کہاں پہنچ پائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر جیسی عظیم نعمت کا انعام فرمایا۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے کم کاموں پر اور کم وقت میں، اس امت کے لیے اتنا اجر اور برکت رکھ دی ہے جو دوسری امتوں کے حصے میں نہیں آئی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مزدور کو کسی کام کی مزدوری کے لیے فجر کے وقت سے لے کر ظہر کی نماز تک کے لیے رکھا اور اس سے مزدوری طے کی۔ اس نے جب کام مکمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مزدوری اسے دے دی۔ اس کے بعد ایک دوسرے مزدور کو عصر تک کے لیے رکھا اور کام مکمل ہونے پر اسے بھی مزدوری دے دی اور وہ بھی فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد ایک تیسرا مزدور عصر سے مغرب تک کے لیے رکھا مگر اس سے جو مزدوری طے کی وہ پہلے دونوں مزدوروں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اس نے جب کام پورا کر لیا تو اسے بھی مزدوری دے دی گئی۔ اس پر پہلے دو مزدوروں نے آ کر شکایت کی کہ آپ نے ہم سے کام تو زیادہ لیا مگر مزدوری کم دی۔ حدیث کے مطابق اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا کیا میں نے وہ پورا نہیں کیا؟ وہ جواب دیں گے کہ آپ نے وعدہ تو پورا فرما دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بس پھر تمھارے پاس شکایت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس کے بعد نبی کریمؐ نے فرمایا کہ پہلی مثال یہودیوں کی ہے، دوسری عیسائیوں کی اور تیسری میری امت کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک میں ایک نفل فرض کے برابر ہوتا ہے اور فرض پر ستر فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح جمعہ اور دیگر عبادات کے اجر و ثواب میں اضافے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ رات اس لحاظ سے ہزاروں مہینوں اور برسوں سے بہتر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب اور ہدایت نازل فرمائی جس نے آنے والے ہزاروں برسوں کے لیے انسان کا مقدر متعین کر دیا۔ مختلف قوموں، نسلوں اور تہذیبوں کی تقدیریں طے ہو گئیں۔ کس کو کیا ملنے والا ہے، یہ سب طے کر دیا گیا۔ اخلاق، اقدار، احکام اور شریعت کے حوالے سے اس کتاب کے ذریعے جو کچھ عطا کیا گیا، یہ وہ کام تھا جو ہزاروں برسوں میں بھی نہیں ہو سکتا تھا، صرف اس ایک رات میں انجام پا گیا۔ قرآن مجید کا نازل ہونا ایک ایسا کام ہے، اس کے ذریعے انسان کو جو رہنمائی ملی وہ اتنی بڑی چیز ہے، اس کے ذریعے انسانی تاریخ میں جو تغیر و تبدل اور انقلاب آیا وہ اتنا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اتنا بڑا اور عظیم الشان کام ہزاروں مہینوں میں بھی سرانجام نہیں پا سکتا تھا جو کہ صرف اس ایک رات میں انجام پا گیا۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

ان آیات کو دو طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ایک انداز اس طرح سے ہو سکتا ہے: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ "یہ وہ رات ہے جس میں فرشتے اور

روح اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے' ہر کام کا حکم لے کر۔ اور یہ سراسر سلامتی کی رات ہے جو فجر تک رہتی ہے"۔ اسی آیت کی تلاوت کا دوسرا انداز اس طرح سے ہو گا: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ "یہ وہ رات ہے جس میں فرشتے اور روح اپنے رب کا حکم لے کر اترتے ہیں' ہر کام کا حکم لے کر سلامتی کے ساتھ۔ یہ رات فجر کے طلوع ہونے تک باقی رہتی ہے"۔ ان آیات کے مختلف انداز میں تلاوت کرنے سے آیت کے مفہوم میں کوئی تضاد واقع نہیں ہوتا' مطلب ایک ہی رہتا ہے۔ البتہ دو مختلف پہلو کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔

پہلی بات یہاں یہ فرمائی گئی ہے کہ روح اور فرشتے اللہ کے حکم سے اترتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے "تنزل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تتنزل کا مخفف ہے۔ اس کے اصل معنی ہجوم کے ہیں۔ یعنی فرشتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو اس رات میں اترتی ہے اور رات بھر فرشتوں کا آسمان سے زمین کی طرف آنا جانا رہتا ہے۔

اس آیت میں ایک اور لفظ "روح" استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں "روح" کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک معنی تو انسانی روح کے ہیں جس سے زندگی اور حیات انسانی وابستہ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ایک پھونک کی طرح کہا ہے۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر ۱۵: ۲۹)' "میں نے جسد انسانی میں اپنی روح پھونک دی"۔

روح کا لفظ جبریل امینؑ کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے جو کہ وحی کو لے کر نازل ہوئے۔ اسی بنا پر بہت سے ترجموں میں اس لفظ کا ترجمہ جبریلؑ امین ہی کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس بات کو ظاہر کرے کہ یہاں اس لفظ کے معنی جبریلؑ امین کے ہیں۔ اس کا مطلب جبریلؑ امین بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ جہاں اس لفظ سے جبریل امین مراد ہیں' وہاں قرآن نے اس لفظ کی تصریح کر دی ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ (الشعراء ۲۶: ۱۹۳-۱۹۴)' "روح الامین اس کلام کو لے کر آپؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوئے"۔ یہاں پر روح الامین سے واضح طور پر مراد حضرت جبریلؑ ہیں۔ لیکن اس جگہ پر تصریح نہیں کی گئی ہے بلکہ صرف اتنا فرمایا گیا ہے کہ فرشتے اور روح اترتے ہیں۔

قرآن مجید میں "روح" کا لفظ "وحی" کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ ۴۲: ۵۲)' "اور اسی طرح (اے نبیؐ) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی روح کا لفظ وحی کے لیے استعمال کیا ہے وہاں پر اپنے "امر" کا لفظ بھی ساتھ ساتھ استعمال کیا ہے۔ مثلاً وہ جانتا ہے کہ روح کو کہاں اتارے یا جس بندے پر چاہتا ہے اپنی روح کو اتارتا ہے۔ ان تمام جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے مِنْ اَمْرِهِمْ' مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ' مِنْ اَمْرِهٖ جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے اپنے "امر" کا لفظ ساتھ ساتھ استعمال کیا ہے۔

گویا اگر "روح" سے مراد فرشتے ہیں تو یہ وہ رات ہے جس میں فرشتے اور جبریلؑ امین اللہ کے حکم سے

زمین پر اترتے ہیں۔ اگر "روح" سے مراد "وحی" لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فرشتے وحی لے کر اپنے رب کے حکم سے اس رات میں اترتے ہیں۔ لیلۃ القدر میں فرشتے وحی لے کر اترتے ہیں یا روح الامین اللہ کے حکم سے اترتے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ رات ملائکہ اور وحی، دونوں کے نور سے جگمگاتی ہے اور روشن ہوتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہاں "روح" کا لفظ وحی کے لیے اس لیے بھی استعمال ہوا ہے کہ وحی اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا فعل ہے جس کی پوری حقیقت، انسانی ادراک اور سمجھ سے باہر ہے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وحی کے ذریعے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اور مردہ قومیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جس طرح وحی (امر ربی) کے ذریعے آسمان سے بارش برستی ہے، جسم میں روح پھونک دی جائے تو مردہ جسم کھڑا ہو جاتا ہے، اسی طرح دل بھی زندہ ہو جاتے ہیں، قومیں بھی زندہ ہو جاتی ہیں، اخلاق بھی زندہ ہو جاتے ہیں اور روح جو مردہ ہو چکی ہو وہ بھی زندہ ہو جاتی ہے۔ یہ وحی ہی ہے جس کے ذریعے معمولی لوگ بڑے بڑے لوگ بن جاتے ہیں۔ ان میں ایسی زندگی پھونک دی جاتی ہے کہ بدو، کاشت کار اور تاجر، دنیا کے بہترین حکمران، کمانڈر اور عالم فاضل بن کر ساری دنیا پر چھا جاتے ہیں۔

وحی کی کیفیت انسانی روح جیسی ہے کہ جب تک جسم میں روح موجود ہو، انسان زندہ رہتا ہے۔ جب روح جسم سے نکل جائے تو ہاتھ پاؤں اور آنکھ، ناک، کان تو ویسے ہی رہتے ہیں مگر جسم بے حس ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جو فرد یا قوم اس وحی کو قبول کرلے اور اپنے اندر جذب کرلے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ اللہ کے انعام و اکرام اور اجر کی مستحق ٹھہرتی ہے اور جو اسے قبول نہ کرے وہ اس سے محروم ہو جاتی ہے۔ دراصل وحی وہ چیز ہے جو کسی قوم کے اندر وہ روح پھونک دیتی ہے جس سے وہ قوم زندہ قوم بن جاتی ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا ع

زندگانی را بقا از مدعا ست

(زندگی تو تب زندگی ہے جب اس کے سامنے کوئی مقصد ہو)

یہی معاملہ قوموں کی زندگی کا ہے۔ قوموں کی زندگی مقصد سے وابستہ ہوتی ہے۔ صرف افراد سے، چلتے پھرتے انسانوں سے، سڑکوں اور کارخانوں کی تعمیر سے قوموں کی زندگی باقی نہیں رہتی۔ قوموں کے سامنے جب کوئی مقصد ہوتا ہے تو وہ زندہ تصور کی جاتی ہیں۔ وحی کسی قوم کو ایک مقصد سے آشنا اور معمور کر دیتی ہے۔

اس رات کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جس سے اس کے ہزار مہینے سے بہتر ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس رات میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات نازل فرمائیں جنھیں جبریلؑ امین اپنے رب کے اذن سے لے کر آتے ہیں۔ "اذن" کا لفظ استعمال کر کے یہاں ایک اور لطیف بات مزید کہہ دی گئی ہے۔ "اذن" کے معنی صرف حکم کے نہیں ہیں، اجازت کے بھی ہیں۔ اجازت مانگنے پر دی جاتی ہے، خود سے نہیں لی جاتی۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرشتے خود اس بات کے مشتاق ہوتے ہیں کہ انسانوں

کے پاس جائیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اس بات کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ جب انھیں اجازت دی جاتی ہے تو وہ اس رات میں آسمان سے زمین پر جوق در جوق نازل ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان فرشتوں سے بھر جاتے ہیں۔ وہ انسانوں تک اللہ کا کلام اور پیغام پہنچاتے ہیں جو سلامتی کا پیغام ہے' دل کی سلامتی' گھروں کی سلامتی' قوم اور تہذیب و تمدن کی سلامتی۔ ایک روایت کے مطابق فرشتے گلیوں اور راستوں میں ایسے لوگوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں جو اللہ کی یاد میں مشغول ہیں۔

قرآن مجید میں جنت کے حوالے سے بھی فرشتوں کا ذکر بہت واضح الفاظ میں ملتا ہے' وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد ۱۳: ۲۳-۲۴)' " ملائکہ ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں گے "تم پر سلامتی ہو"۔ اس طرح سے جنت کے ہر دروازے سے فرشتے اہل جنت کے سامنے آتے ہیں اور انھیں سلامتی کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔

دنیا کے حوالے سے بھی کہا گیا ہے کہ فرشتے' ان مومنین مردوں اور عورتوں کے لیے جو اخلاص اور دیانت کے ساتھ اللہ کی راہ پر چل رہے ہوں' استغفار کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کے مطابق فرشتے ان لوگوں کے ساتھی' مددگار اور ہمراہ ہوتے ہیں جو "وحی" کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کھول کر بیان کی گئی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ (حم السجدہ ۴۱: ۳۰-۳۱)' "جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے' یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو' نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ' اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی' تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی"۔ گویا جو لوگ رب پر ایمان لائیں اور اس پر استقامت کے ساتھ جم جائیں' ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان کو خوف اور ڈر سے محفوظ رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس بات کا تذکرہ بھی ہے کہ جب انسان مرنے لگتا ہے یعنی موت کے وقت بھی فرشتے اسی طرح اترتے ہیں۔ حق و باطل کا اگر کوئی معرکہ پیش آ جائے جیسا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر پیش آیا' تو قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے کہ اس موقع پر بھی فرشتے اترتے ہیں اور دلوں کی طمانیت اور سکینت اور حوصلوں کو بلند کرنے کی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق لڑائی میں حصہ بھی لیتے ہیں۔

دراصل فرشتوں کا نزول "وحی" کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ اس میں تسکین و تسلی کا سامان بھی ہے اور اس رات کی عظمت کا بیان بھی۔ "روح" سے جبریل امین مراد لی جائے یا وحی' جو کہ جبریل امین لے کر آتے ہیں' دونوں صورتوں میں اس سے لیلۃ القدر کا مقام اور اس کی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔ من کل امر سلم میں اگر من کل امر کو پہلے حصے کے ساتھ ملایا جائے' جس کو میں ترجیح دیتا ہوں' تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فرشتے اور روح اس رات میں اللہ کے حکم سے اترتے ہیں اور ان تمام کاموں کے فیصلے لے کر اترتے

ہیں جو اللہ نے صادر کرنا ہوتے ہیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ جہاں بھی وحی کا لفظ آیا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کا ذکر بھی کیا ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف ۷:۵۴) "تخلیق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے"۔ یہاں ایک اہم نکتہ قابل غور ہے وہ یہ کہ خدا کے بارے میں یہ عقیدہ تو بہت عام ہے کہ انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے لیکن یہ عقیدہ کہ اس کائنات میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے، جو کچھ پیش آتا ہے صرف اسی کے حکم سے پیش آتا ہے۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدہ ۳۲: ۵) "وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے"۔ سارے معاملات وہی طے کرتا ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ (البقرہ ۲: ۲۱۰) "آخر کار سارے معاملات پیش تو اللہ ہی کے حضور ہونے والے ہیں"۔ عرش جو کائنات کا مرکز سلطنت ہے، اس پر وہی قائم ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (یونس ۱۰: ۳) "وہ تخت سلطنت پر جلوہ گر ہو کر کائنات کا نظام چلا رہا ہے"۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کو انسان کی زندگی میں ایک جیتی جاگتی حقیقت بنا کر زندہ رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ جہاں نے تاج محل بنایا۔ اس سے کوئی تعلق ہماری زندگی کا نہیں ہے۔ شاہ جہاں کو تو اتنا خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے کہ اس نے دنیا کا ایک عجوبہ، تاج محل بنایا تھا حالانکہ ہماری عملی زندگی میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی عقیدہ صرف اتنا ہی ہو کہ اس نے اس دنیا کو بنایا ہے اور وہ اس کا خالق ہے تو یہ بات خلاف حقیقت ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید جہاں بھی تقویٰ کا ذکر کرتا ہے وہاں اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (یونس ۱۰:۳) "وہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہے"۔ وہ کاموں کی تدبیر کر رہا ہے۔ سارے کام اسی کے حکم سے انجام پا رہے ہیں۔

سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

عربی زبان میں الفاظ تین حروف سے مل کر بنتے ہیں۔ "سلٰم" کا لفظ تین حروف، س، ل اور م سے مل کر بنا ہے۔ اس کے معنی امن اور حفاظت کے ہیں۔ اسی سے لفظ اسلام بنا ہے۔ دونوں لفظ گرامر کی رو سے ایک ہی مادے سے بنے ہیں۔ اسلام کے معنی اپنے آپ کو اللہ کے آگے ڈال دینا اور اس کے سپرد کر دینا ہے۔ انسانی زندگی کے لیے سلامتی اور امن اسی بات میں پوشیدہ ہے۔

قرآن مجید کے نزول کے لحاظ سے "سلٰم" کے ایک معنی تو یہ ہوتے کہ یہ وہ رات ہے جس میں قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے ہیں اور قرآن کی حفاظت اور تحفظ کا نظام مکمل طور پر موجود ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل یا تحریف کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ بات ایک لفظ (سلٰم) میں کہہ دی گئی ہے کیونکہ یہ ایک چھوٹی صورت ہے۔ مگر دیگر مقامات پر یہ بات تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ ۵۶: ۷۹) "جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا"۔ یعنی سوائے پاکیزہ لوگوں کے کوئی اس کلام کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اس رات میں اگر شیطان مداخلت کرنا چاہیں تو انھیں شہاب

ثاقب مارے جاتے ہیں۔ وہ اللہ کے احکام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتے اور سن گن تک حاصل نہیں کر سکتے۔ اس بنا پر وحی الٰہی بالکل محفوظ ہے۔ کوئی اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ (عبس ۸۰: ۱۵-۱۶) "یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں، بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں، معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں"۔ گویا درمیان میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ رسول کریمؐ نے اسے خود تخلیق کیا ہے یا کسی اور نے اس میں کوئی ردوبدل کر دیا ہے۔ گویا وحی، اللہ کا کلام ہے اور اس کی حفاظت کا مکمل اہتمام ہے۔ کوئی اس میں ردوبدل نہیں کر سکتا۔

اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس رات میں اللہ کی طرف سے جو فیصلے کیے جاتے ہیں، وہ سراپا سلامتی و امن ہوتے ہیں۔ ان فیصلوں میں قوموں کو عذاب دینا، زندگی اور موت کا فیصلہ کرنا اور رزق کو گھٹانے بڑھانے کے فیصلے بھی شامل ہوتے ہیں جو کہ بہ ظاہر خیر اور امن کے فیصلے نہیں ہوتے۔ اس بات کا جواب چھٹے کلمے میں اس طرح سے دیا گیا ہے کہ خیر اور شر کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے مجموعی نظام میں بہ ظاہر فیصلہ کیسا ہی ہو، اس میں اللہ کی طرف سے سلامتی اور بہتری ہی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ قوموں پر عذاب کے فیصلوں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے اس قوم کے لیے رحمت اور اس کے عدل کی نشانی ہوتے ہیں۔ اگر ظالموں کی گرفت نہ کی جائے اور ان کا خاتمہ نہ کیا جائے تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہو گا۔ اس کے نتیجے میں امن و سلامتی خطرے میں پڑ جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اسی لیے ظالموں کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام ۶: ۴۵) "ظالم قوموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ ہزار ہزار شکر ہے اللہ کا جو رب العالمین ہے"۔ یہ ایک قسم کی سلامتی ہے جو اللہ کی طرف سے انسانوں پر اتاری جاتی ہے۔ پھر وہ چیز جو اس رات میں اتاری گئی ہے یعنی قرآن جس کا ابتدائی آیت میں ذکر کیا گیا ہے، یہ وہ چیز ہے جو انسان کی زندگی، فکر، تہذیب و تمدن اور نظام فکر و عمل کے لیے سراسر سلامتی ہے۔ گویا اس رات میں جو کام یا فیصلے ہوتے ہیں، وہ سلامتی پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ رات بھی اپنی جگہ سلامتی کی رات ہے۔

حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

یہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔

یہ وہ وقت ہے جب تہجد اور سحری کا وقت ختم ہوتا ہے، صبح کاذب ہوتی ہے اور پو پھوٹتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح طور پر متعین ہو گئی کہ یہ رات فجر کے وقت تک باقی رہتی ہے۔

ایک اور پہلو جس کا آیت کی تفسیر سے بہ ظاہر کوئی تعلق نہیں لیکن اپنی جگہ وزن رکھتا ہے، یہ ہے کہ اس رات میں جو فیصلے کیے جاتے ہیں، وحی اتار کر انسان کو جس ہدایت سے نوازا گیا اور سلامتی کا جو نظام دیا گیا، یہی وہ چیز ہے جس سے انسان کو صبح کی روشنی نصیب ہوتی ہے۔ یہاں صبح سے میری مراد سورج کا طلوع ہونا نہیں ہے بلکہ وہ صبح ہے جو ظلم کی اندھیری رات کے بعد امن و سکون، سکھ چین اور عدل و انصاف کو لے کر طلوع ہوتی

ہے۔ گویا یہ روشنی مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں زندگی اور امید کا پیغام لے کر نمودار ہوتی ہے۔

روشنی اور تاریکی کا یہ مفہوم براہ راست تفسیر کے دائرے میں تو نہیں آتا مگر ذہن اس طرف بھی جاتا ہے کہ اس رات میں انسان کو جو ہدایت، کتاب اور روشنی دی گئی وہ انسان کے لیے صبح ہے۔ اس کے نتیجے میں ہی انسانیت کو امن، چین، سکھ، تہذیب و تمدن، آزادی فکر، ضمیر کی آزادی اور حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔

لیلۃ القدر کون سی رات ہے؟ اس کے متعلق بہت سی روایات ملتی ہیں۔ البتہ اس حد تک بات یقینی ہے کہ یہ رمضان المبارک کی ایک رات ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید رمضان میں نازل ہوا اور شب قدر میں نازل ہوا۔ بعض علما کے نزدیک یہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سترہ رمضان کی رات ہے۔ اس لیے کہ یہ غزوۂ بدر کا دن ہے۔ ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن کے مطابق یہ آخری عشرے کی کوئی ایک رات یا کوئی طاق رات ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کو بھی اسی طرح چھپا دیا جس طرح اس نے اپنی اطاعت کو بہت سے نیک کاموں میں چھپا دیا تاکہ آدمی ہر نیک کام کرے۔ اپنے غضب کو بہت سے گناہوں میں چھپا دیا تاکہ آدمی ہر گناہ سے بچے۔ اپنے اسم اعظم کو اپنے سارے ناموں کے اندر چھپا دیا تاکہ آدمی اس کے سارے نام لے۔ اسی طریقے سے اس نے اس رات کو بھی چھپا دیا تاکہ آدمی ہر رات کو اس کے حضور کھڑا ہو، ہر رات کو جستجو اور کوشش کرے تاکہ وہ اس رات کو پا سکے۔ اس رات کی عبادت، اس کے نور اور اس رات میں جو کام انجام پایا ہے، اس سے واقف ہو سکے۔

ہمارے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ آج دنیا مادیت کا شکار ہو چکی ہے، سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں بے شمار ترقی ہوئی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ بہت تیز ہو گیا ہے۔ جو فاصلے پہلے برسوں میں طے ہوتے تھے وہ اب منٹوں اور سیکنڈوں میں طے ہوتے ہیں۔ جو آواز کہیں نہیں پہنچ پاتی تھی وہ اچانک ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے۔ بہ ظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بہت آگے بڑھ رہی ہے۔ لیکن فی الواقع اس صدی میں اخلاق، روح اور اقدار کی جو موت واقع ہوئی ہے اس کی وجہ سے دنیا کی تاریخ میں یہ صدی سب سے زیادہ خون ریز صدی ہے۔ اس صدی میں انسان کا اتنا خون بہا ہے کہ جس کی کوئی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ خون عصبیت، نسل اور رنگ کے نام پر، مال و دولت اور دنیا کی بین الاقوامی مارکیٹوں پر قبضہ جمانے کے لیے اور کمزور قوموں کو کچلنے کے لیے بہایا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں انسانی زندگی عدم سکون کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

ایک نومسلم، محمد اسد جو یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے اور انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، اپنے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ وہ برسوں مسلم ممالک میں پھرتے رہے، اسلام کو سمجھ بھی لیا اور اس کے قائل بھی ہو گئے مگر مسلمان نہ ہوئے۔ ایک دن وہ برلن میں بس میں سفر کر رہے تھے۔ دوران سفر انھوں نے مسافروں کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لیا تو انھیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے ہر شخص کے چہرے پر ایک قسم کی آگ، تپش، سوزش اور جلن ہو۔ ہر شخص بے چین اور مضطرب نظر آ رہا تھا۔ مگر

جا کر جب انھوں نے قرآن مجید کھولا تو پہلی آیت یہ نظر آئی: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ (التکاثر ۱۰۲: ۱-۲) ''تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو''۔ گویا کثرت کی ہوس کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے، اس نے تم کو غافل کر دیا ہے اور اب تم اپنی آنکھوں سے جہنم کو دیکھ لو گے۔ اس طرح سے انھیں احساس ہوا کہ ہوس پرستی کی وجہ سے لوگ کس طرح بے چینی اور اضطراب کے جہنم میں جل رہے ہیں اور ان کی زندگی سکون سے محروم ہے۔ یہ واقعہ ان کے قبول اسلام کا باعث بنا۔

غور کیا جائے تو آج ہر شخص مضطرب و بے چین ہے۔ ایک جہنم ہے کہ جو چہروں، دلوں اور زندگیوں میں بھڑک رہی ہے۔ اس کا علاج وہی سلامتی کا پیغام ہے جو شب قدر میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔ انسانیت کے لیے امن و چین، سکون و نجات اور بہتری اگر کسی چیز میں پوشیدہ ہے تو وہ اس کلام الٰہی میں پوشیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی نجات کے لیے سلامتی والی رات، لیلۃ القدر میں اتارا تھا۔ امت مسلمہ کو اس کتاب کا امین بنایا گیا ہے اور یہ ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے کہ وہ خود بھی اس پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ یہی وہ بات ہے جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر بات ہے جس کا کہ اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کتاب کی قدر و قیمت کو جاننے، پہچاننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

(کیسٹ سے تیار کیا گیا۔ تدوین: امجد عباسی)

رمضان کے مبارک موقع پر

مطالعے کے لیے، اشاعت کے لیے

روزہ اور رمضان ☆ ۹ اکابر علما کی تحریروں کا گلدستہ، انتخاب: خرم مراد، قیمت ۱۵ روپے، ۱۰۰۰ روپے سیکڑہ

تحفہ رمضان ☆ ۱۰ پمفلٹوں کا سیٹ، قیمت ۳۵ روپے، ۲۵۰۰ روپے سیکڑہ

ہدیہ رمضان ☆ ۶ کتابچوں کا سیٹ، قیمت ۱۵ روپے، ۱۰۰۰ روپے سیکڑہ

شب قدر کی عظمت ☆ خرم مراد (پیغام قرآن سیریز کا پانچواں ٹائٹل، درس سورۃ القدر)، قیمت ۵۰/۳، سیکڑہ ۲۵۰ روپے

احادیث قدسیہ ☆ ترجمہ ابو مسعود ندوی، قیمت ۳۵ روپے

کلام نبویؐ کی کرنیں ☆ مولانا عبدالمالک، قیمت ۱۲ روپے، ۸۰۰ روپے سیکڑہ

تصاویر قرآنی ☆ سید قطب شہید، ترجمہ خرم مراد، ۱۵ روپے، ۱۰۰۰ روپے سیکڑہ

منشورات

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور - 54570 فون: 5425356، فیکس: 7832194

ڈیسنٹ بک پوائنٹ کراچی اور بک ٹریڈرز اسلام آباد سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔